نقد و نظر

مقالاتِ احسانی :- از حضرت مولنا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم و مغفور، شائع کردہ ادارۂ مجلس علمی کراچی —
ضخامت ۴۹۶ صفحات قیمت [illegible] ، ملنے کا پتہ ادارۂ مجلس علمی، پوسٹ بکس ۳۴۸۳ نزد میری ویدر ٹاور کراچی ۔

مولنا گیلانی جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے دل کو بڑا دکھ ہوتا ہے اس صدی کے نامور علماء میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ذات میں بہت سی ایسی خوبیاں جمع کردی تھیں جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں، وہ بیک وقت ایک بلند پایہ منطقی بھی تھے اور فلسفی بھی متکلم بھی تھے اور صوفی بھی، مفسر بھی تھے، اور واعظ شیریں زبان بھی جس طرح علوم قدیمہ اور جدیدہ دونوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اسی طرح ان کے اندر عقلیت اور روحانیت کا بھی خوشگوار امتزاج پایا جاتا تھا اگر وہ فارابی اور امام رازی کی تصانیف سے واقف تھے تو شیخ اکبرؒ اور مرشد رومیؒ کے علوم سے بھی بخوبی آشنا تھے سچ تو یہ ہے کہ میں ان کے علمی اور روحانی کمالات کے اظہار کی صلاحیت بھی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ایسے لوگ کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔

میں نے انہیں مئی ۱۹۳۴ء میں پہلی اور آخری مرتبہ دیکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب میں الٰہ آباد سے بی اے کا امتحان دے کر اپنے وطن مالوف بریلی واپس آیا تھا۔ مولنا مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر دیوبند سے جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ چونکہ میں اس مدرسہ کے ایک اُستاد مولنا سلطان احمد خاں صاحب طوروی مرحوم سے منطق پڑھنے جایا کرتا تھا۔ اس لئے مجھے مرحوم کی تقریر سننے کا موقع مل گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ جب میں رات کے آٹھ بجے جلسہ گاہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ لوگ ان کی تقریر کے مشتاق تھے اور مدرسہ کے طلباء ان کا ذکر کر رہے تھے کہ آج مولنا کی تقریر ہوگی۔

رات کے دس بجے ان کی تقریر ہوئی۔ وہ سماں آج بھی چالیس سال گذر جانے کے باوجود میری آنکھوں میں ہے، جب وہ اسٹیج پر آکر کھڑے ہوئے تو سارا مجمع ہمہ تن گوش بن گیا۔ سرخ سفید رنگ، میانہ قد، متناسب اعضاء، نورانی چہرہ، ایسا دلکش کہ طبیعت دیکھنے سے سیر نہ ہو، آنکھوں میں قدرتی چمک اور جاذبیت، ہونٹوں پر تبسم، دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ بس زندگی میں ایک دفعہ انہیں دیکھا اور صرف ایک ہی تقریر سنی۔ لیکن ان کی شخصیت کا نقش ہمیشہ کے لئے دل پر ثبت ہو گیا۔ غائبانہ تعلق خاطر ایسا پیدا ہوا کہ ان کی وفات بھی اسے منقطع نہ کر سکی، چنانچہ آج بھی ان کی تصنیف "الدین القیم" میری میز کی زینت بنی ہوئی ہے۔ جی چاہتا ہے افادۂ عام کے لئے ان کی مختصر سوانح حیات بھی لکھ دوں،

مولنا گیلانی صوبہ بہار میں ۱۸۹۲ء / ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی، چونکہ مولنا کے چچا اور والد دونوں عالم دین تھے۔ اس لئے انہوں نے مولنا کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ٹونک بھیجا کیونکہ اس شہر میں ہندوستان کا سب سے بڑا معقولی علم و حکمت کے خزانے لٹا رہا تھا، میری مراد حضرت مولنا حکیم سید برکات احمد صاحب مرحوم سے ہے۔ جو شمس العلماء مولنا عبدالحق خیرآبادی مرحوم کے جانشین تھے اور معقولات کے امام تھے،

اس مدرسہ میں مولنا نے نو سال تک تعلیم پائی اور معقول و منقول دونوں میں امتیازی درجہ حاصل کیا۔ خیرآبادی علماء کا طریق تعلیم ایسا ہے کہ وہ

کتاب کے ساتھ ساتھ فن بھی پڑھا دیتے ہیں۔ اور چونکہ معقول ان کا طغرائے امتیاز ہے اس لئے مولانا کو منطق فلسفہ اور کلام میں ایسی مہارت حاصل ہوگئی کہ وہ فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، اسفار اربعہ، مباحث مشرقیہ، افق المبین، شرح تجرید، حاشیہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، حاشیہ ملا غلام یحییٰ بہاری اور حاشیہ علامہ فضل حق خیرآبادی جیسی ادق کتابوں کے مشکل ترین مقامات پر نہایت فاضلانہ تقریر کر سکتے تھے۔

مدرسہ خلیلیہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے کچھ عرصہ اجمیر میں قیام کیا جہاں حضرت حکیم صاحب مرحوم کے شاگرد خاص اور جانشین حضرت علامۃ الہند مولانا معین الدین صاحب اجمیری مرحوم ایک عالم کو اپنے دریائے علم و فضل سے سیراب کر رہے تھے دوران قیام اجمیر میں مولانا نے فاضل اجمیری مرحوم سے منطق فلسفہ عقائد کلام اور الٰہیات کے مشکل ترین مباحث پر روشنی حاصل کی اور ان کے فضل و کمال کے اس درجہ معترف ہوئے کہ ساری عمر انہیں ہی اپنا استاد تسلیم کرتے رہے۔

فاضل اجمیری مرحوم کے علمی اور عملی کمالات اور فضائل کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن اس قدر لکھے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ خیرآبادیوں کے کمالات علمیہ کا مولانا کی ذات پر خاتمہ ہوگیا۔ یہ سچ ہے کہ حضرت موصوف کے شاگرد رشید مولانا منتخب الحق صاحب مدظلہ العالی ریڈر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی بلا مبالغہ اس وقت معقولات میں منتخب روزگار ہیں لیکن خود انہوں نے بارہا مجھ سے فرمایا کہ مجھے اپنے استاد سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور یہ بات ہے بھی سچ۔

چونکہ مولانا گیلانی مرحوم کا رجحان معقولات کے بجائے منقولات کی طرف تھا۔ اس لئے قیام اجمیر کے بعد وہ دیوبند آئے اور یہاں اکبر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ اور امام العصر مولانا انور شاہ صاحب مرحوم سے حدیث اور فقہ کی تکمیل کی اور دو سال میں اس درس گاہ سے بھی سند فراغ حاصل کرلی۔

ٹونک کی طرح دیوبند میں بھی مولانا اپنی ذہانت کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے منظور نظر بن گئے تھے، چنانچہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوراً ان کو مسند درس عطا کر دی گئی، یہاں ۱۹۲۰ء تک مدرسی کے فرائض انجام دیئے، اسی سال جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) میں لیکچرار شعبہ دینیات ہوگئے اور رفتہ رفتہ اس شعبہ کے صدر ہوگئے۔ ان کے ایک شاگرد مولوی غلام محمد صاحب لکھتے ہیں" مولانا گیلانی کی دقت فکر، وسعت نظر، علوم دینی میں ان کا تبحر، مسائل حاضرہ پر ان کی دسترس، ان کی علمی دیانت مجتہدانہ جرأت، ان کی بےلوث خدمت اور جامعہ سے ان کی شیفتگی نے ان کی شخصیت کو ہر دور کے طلبا، اور ہر شعبہ کے اساتذہ میں وہ عظمت اور محبوبیت عطا کر دی تھی، جو ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی کو نہ مل سکی"

۱۹۴۹ء میں مولانا جامعہ عثمانیہ کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے اور ۵ جون ۱۹۵۶ء کو وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون

مقالاتِ احسانی کا تعارف:۔ اس کتاب میں چھ مقالات ہیں پہلے مقالے میں مولانا نے طریقۂ غزالیہ اور طریقۂ اشغال مطلقہ کا موازنہ کیا ہے۔

دوسرے مقالے میں مولانا نے امام غزالی کے دور کی سیاسی حالت، انکی زندگی کی خصوصیات، ان کی صوفیانہ تصنیفات خصوصاً احیاء العلوم کی ہمہ گیری کو واضح کیا ہے اور آخر میں طریقۂ غزالیہ پر نہایت عارفانہ تنقید فرمائی ہے

تیسرے مقالہ میں انہوں نے بصرے کی دو ممتاز ہستیوں (حسن بصریؒ اور علامہ ابن سیرینؒ) کا تذکرہ سپرد قلم کیا ہے۔

چوتھے مقالہ میں انہوں نے شیخ اکبر قدس سرہٗ سے بطور خاص اور شاہ ولی اللہؒ سے ضمناً استفادہ کر کے یہ بتایا ہے کہ حصول احسان کی یہی ایک راہ نہیں ہے۔ جس کو طریقۂ غزالیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک راہ وہ بھی ہے جو طریق صحابہؓ سے زیادہ قریب ہے۔

جس میں ترک اسباب اور دنیا سے گریز کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ دنیاوی اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود مسبب الاسباب پر بھروسہ رکھنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ یعنی اصلاح فکر کے ذریعہ سے مقام احسان تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریق میں سالک کو طویل مجاہدات کی حاجت نہیں ہوتی۔ مولانا گیلانی مرحوم کی یہ تجویز دراصل ان کے شیخ طریقت مولانا محمد حسین صاحب حیدرآبادیؒ کے طریق تلقین کا نتیجہ ہے۔ اس کا اندازہ حضرت موصوفؒ کے اس جملہ سے ہو سکتا ہے جسے وہ اکثر بیان کیا کرتے تھے:۔

"جس طرح ایک انسان لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے ایک سکینڈ میں کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان اِن اللہ مَعَنا کا استحضار کر کے ایک سکینڈ میں مرتبۂ احسان پر فائز ہو جاتا ہے۔

پانچویں مقالے میں انہوں نے امام ابن تیمیہؒ کے نظریۂ مخدومیت پر تنقید کی ہے۔

دراصل چوتھا مقالہ ان پانچوں مقالات کی جان ہے۔ مولانا کا مقصد اس مقالے سے یہ ہے کہ آج کل کا مسلمان جس کی زندگی میں فرصت کم اور مشاغل زیادہ ہیں، تھوڑی سی توجہ یعنی تصحیح فکر کی بدولت اُس مقام کو حاصل کر سکے جسے حدیث نبوی میں مقام احسان سے تعبیر کیا گیا ہے

اب رہا چھٹا مقالہ تو وہ ایک جداگانہ چیز ہے اور اپنی جگہ اس قدر قیمتی ہے کہ انشاء اللہ میں اسے "ندائے حق" میں بالاقساط شائع کروں گا۔ یہ مقالہ اُن حقائق و معارف پر مشتمل ہے جو شیخ اکبرؒ کی فتوحاتِ مکیہ اور مولانا رومؒ کی مثنوی کے مطالعے کے دوران میں ان پر منکشف ہوئے۔ مولانا نے ان معارف کو "مجالس الشیخین" کے عنوان سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس کی تصریح خود مولانا کی زبان سے سنئے:۔

"جیسا کہ عرض کر چکا ہوں محض ذاتی تسکین و تسلی کے لئے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مولانا معنویؒ کے افادات علمیہ کو مذکورہ بالا عنوان کے تحت فقیر نے قلمبند کرنا شروع کیا تھا۔ حاشیۂ خیال میں یہ بات نہ تھی کہ ان کے اس قدر جلد شائع ہو جانے کی صورت سامنے آ جائیگی مگر حالات ایسے پیش آ گئے کہ نظر ثانی کئے بغیر ہی اس مضمون کو "دار العلوم" دیوبند بھیجنا پڑا۔"

مولانا نے مجالس الشیخین پر جو دیباچہ لکھا تھا اسے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ آئندہ پرچہ سے مجالس کا سلسلہ شروع ہو گا (انشاء اللہ)

دیباچہ مجالس الشیخین:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مدت سے خاکسار کا یہ دستور ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے جب کبھی دل پریشان ہوتا ہے تو فتوحاتِ مکیہ یا مثنوی معنوی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کر دیتا ہوں۔ کل خیال آیا کہ اِن دونوں بزرگوں کی حضوری میں جن جن باتوں سے دل متاثر ہوتا ہے ان کو روزانہ اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیا کروں۔ اور جب یہ چیزیں کافی مقدار میں جمع ہو جائیں تو انہیں کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ میں اپنی اس کتاب کا نام "مجالس الشیخین" یا "دل کا چین" رکھتا ہوں۔ یہی نام اس وقت میرے قلب میں بغیر قصد و ارادے کے ڈالا گیا ہے۔

ان مجالس کی ترتیب کا مقصد:۔ مقصود ان مجالس سے یہ ہے کہ آجکل ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آ کر مقیم ہو گیا ہوں جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو خاندان باقی رہ گئے ہیں ان کے علاوہ تمام ہنود اور عام طبقے کے کچھ مسلمان ہیں۔ جن سے کسی قسم کی ایمانی گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور آج تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ شہروں میں بھی اس قسم کی مجلسیں میسر نہیں آتیں۔ جہاں جائیے بس اخباروں کی خبروں کا تذکرہ اور انہی خبروں سے نکالے ہوئے ناقص نتائج سے مسرت یا غم کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے لیکن کوئی شخص زندگی کے اس خواب کی تعبیر جاننا نہیں چاہتا۔ نہ لوگ خود سوچتے ہیں نہ دوسروں کی بات سننا چاہتے۔ ایسی حالت میں گزرے ہوئے بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کی ایک صورت اس تدبیر سے نکل آئی ہے۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا میسر آ سکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو دہ گاؤں میں اپنے کلام پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک اور مولانا رومیؒ اور شیخ اکبرؒ کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرما دیا ہے۔

"موضع گیلانی بہار" کہف الایمان" (مارچ ۱۹۵۰ء)